حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف راجووالوی رحمۃ اللہ علیہ

☆......☆......☆ علامہ محمد اسحاق بھٹی ☆......☆......☆

تقسیم ملک سے قبل کا پنجاب' جسے متحدہ پنجاب کہا جاتا ہے' انتیس اضلاع پر مشتمل تھا' ان میں ایک ضلع فیروز پور تھا۔ فیروز پور کی پانچ تحصیلیں تھیں۔ ایک تحصیل خود فیروز پور' دوسری موگا' تیسری زیرہ' چوتھی فاضلکا اور پانچویں مکتسر۔ ان پانچوں تحصیلوں کے مختلف مقامات میں بے شمار علمائے دین اور اصحاب صالحیت حضرات موجود تھے۔ لکھوکے کا چھوٹا سا گاؤں تحصیل فیروز پور میں واقع تھا۔ جسے علم وعرفان اور درس وتدریس کے عظیم الشان مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ پورے پنجاب بلکہ ہندوستان کے دیگر صوبوں کے تشنگان علوم اس گاؤں میں آتے اور یہاں کے علمائے ذی مرتبت سے اکتساب فیض کرتے۔

ان سطور میں ضلع فیروز پور کے علمائے کرام سے متعلق تفصیل میں جانا مقصود نہیں۔ ان میں سے بہت سے بزرگان عالی قدر کے حالات یہ فقیر اپنی مختلف کتابوں میں بیان کر چکا ہے۔ یہاں صرف مولانا محمد یوسف کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا مقصود ہے۔ وہ اصلاً اسی ضلع سے تعلق رکھتے تھے' اسی ضلع میں ان کی نشوونما ہوئی اور وہیں کی فضاؤں میں پل کر عالم جوانی کو پہنچے اور پھر وہیں سے چل کر 1947ء میں پاکستان آئے۔

تقسیم سے پہلے جو ریل گاڑی فیروز پور سے بہ جانب مغرب فاضلکا بنگلہ اور اس سے آگے بہاول نگر اور سمہ سٹہ کو جاتی تھی۔ اس کا پہلا ریلوے اسٹیشن کھائی' پھیمیکی' دوسرا جھوک ٹہل سنگھ اور تیسرا منڈی گورو ہر سہائے تھا۔ یہ (تیسرا) ریلوے اسٹیشن فیروز پور سے اکیس میل کے فاصلے پر تھا۔ موجودہ حساب سے کم وبیش تیس کلومیٹر کے فاصلے پر کہنا چاہیے۔

اس اسٹیشن کے قریب ایک گاؤں ''چک سومیاں'' کے نام سے موسوم تھا جسے ''اعوان'' بھی کہا جاتا تھا۔ وہیں 1919ء میں مولانا محمد یوسف پیدا ہوئے ان کے والد کا نام کمال الدین اور دادا کا حق نواز تھا۔ یہ نیک سیرت اور صالح سرشت لوگ تھے۔ لکھوکے گاؤں وہاں سے چودہ پندرہ میل کی مسافت پر تھا۔ مسئلے مسائل کے سلسلے میں اس نواح کے لوگ لکھوی علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔

محمد یوسف نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور اسی علاقے کے اصحاب علم سے حاصل کی۔ پھر فیروز پور شہر آئے اور حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ اور ان سے استفادہ کیا۔ پھر ضلع قصور کے ایک قصبے عثمان والا چلے گئے۔ وہاں مولانا محمد داؤد ارشد کا سلسلہ تدریس جاری تھا' اس میں شرکت کی اور مروجہ درسیات کی چھوٹی بڑی متعدد کتابیں پڑھنے کے بعد استاذ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کی خدمت میں لکھوکے حاضری دی اور ان سے استفادہ کیا۔ اس زمانے میں امرتسر کے مدرسہ غزنویہ کی بڑی شہرت تھی اور کئی مشہور علمائے کرام اس میں فریضہ تدریس انجام دیتے تھے۔ لکھوکے سے مولانا محمد یوسف نے امرتسر کا عزم کیا اور وہاں حضرت مولانا نیک محمد' مولانا محمد حسین ہزاروی' مولانا عبداللہ شہید بھوجیانی اور ان کے برادر صغیر مولانا عبدالرحیم شہید بھوجیانی سے تفسیر' حدیث' فقہ واصول' عربی ادبیات اور معانی و بیان کی کتابیں پڑھی۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ للہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے مواقع میسر آئے اور ان سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا امرتسری نے ان سے ایک دن بہ طور امتحان چند باتیں پوچھیں' انہوں نے صحیح جواب دیے تو مولانا نے خوش ہو کر انہیں جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی بہ طور انعام عطا فرمائی۔

جذبہ شوق علم انہیں امرتسر سے دہلی لے گیا تو وہاں حضرت مولانا عبدالوہاب دہلوی مرحوم کے قائم فرمودہ مدرسہ دارالکتاب والسنۃ میں داخلہ لیا۔ وہاں حضرت حافظ عبدالستار دہلوی سے صحیح بخاری پڑھی اور مولانا عبدالجلیل خاں اور مولانا عبدالرحمٰن سے بعض دیگر نصابی کتابوں کی تکمیل کی۔

طالب علمی کے زمانے میں اور اس کے بعد دور تدریس میں انہوں نے حضرت حافظ محمد گوندلوی اور حضرت حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اخذ فیض کیا۔ 1944ء میں مروجہ درسی تعلیم سے فارغ ہوئے۔

1947ء میں اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان آئے اور ضلع لاہور کے ایک گاؤں موضع ''اہل'' میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں تقریباً چار سال ان کا قیام رہا۔ اس اثناء میں حالات کے مطابق بچوں کو تعلیم دیتے رہے' پھر 1952ء میں راجووال آ گئے اور مستقل طور پر جم کر یہاں بیٹھ گئے۔ اس وقت یہ چھوٹا سا گاؤں تھا جو اللہ کے فضل سے اب شہر نما مشہور قصبہ ہے۔ اس قصبے میں انہوں نے مسجد تعمیر کر کے درس وتدریس کا آغاز کیا اور پھر حالات کے مطابق خدمت دین کی گاڑی آگے بڑھتی گئی۔ لوگوں نے دیکھا

کہ ان کی سعی مخلصانہ سے یہ بنجر زمین کتاب وسنت کے آب رواں سے سرسبز وشاداب ہوگئی۔

یہ دارالعلوم جوانہوں نے اس غیر معروف گاؤں میں آج سے باسٹھ سال پہلے محدود سے پیمانے پر شروع کیا تھا' خوب صورت طرز تعمیر کی ایک بڑی عمارت کو اپنے قبضے میں لیے ہوئے ہے۔اس میں ہزاروں طلباء تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور سینکڑوں تشنگان علوم اپنی علمی تشنگی بجھانے میں مصروف ہیں۔ بیسیوں فاضل اساتذہ یہاں خدمت تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

اس پورے علاقے میں مولانا ممدوح کو اعزاز کا مقام حاصل تھا۔ان کی کوشش سے اس نواح کے کتنے ہی مقامات پر مساجد کی تعمیر ہوئی اور کتنی ہی مسجدوں کا سنگ بنیاد انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے رکھا۔ان مسجدوں میں جمعہ وجماعت کا التزام تو بہر حال ہوتا ہی ہے'اس کے علاوہ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے جو مولانا مرحوم اور وہاں کے اصحاب اہتمام کے لیے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ راجووال میں طلباء کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طالبات کی تعلیم کے لیے بھی مدرسہ جاری ہے جس میں بے شمار بچیاں استفادہ کر رہی ہیں۔طلباء وطالبات کے مدارس کے سلسلے میں مولانا مرحوم کے ساتھ جن حضرات نے تعاون کیا ان میں مولانا عارف جاوید محمدی کا نام قابل ذکر ہے جو کویت میں قیام پذیر ہیں اور اپنے رفقائے کرام کے ساتھ قرآن وحدیث کی تبلیغ واشاعت میں مشغول ہیں۔اللہ ان سب کا حامی وناصر ہو۔

مولانا کے تلامذہ کرام کا دائرہ کافی وسیع ہے جس میں دارالعلوم راجووال کے قابل احترام مدرسین' مولانا عنایت اللہ امین اور مولانا محمد رفیق زاہد شامل ہیں۔ان کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری ہیں جو وہاں سے چند میل کے فاصلے پر حجرہ شاہ مقیم میں سکونت پذیر ہیں۔یہ خطابت وتقریر میں بھی شہرت رکھتے ہیں اور تحریر ونگارش میں بھی ان کی خدمات قابل تحسین ہیں۔

مولانا محمد یوسف مرحوم ومغفور نے چند کتابیں بھی تصنیف کیں اور ان کے مضامین بھی جماعتی اخباروں میں شائع ہوتے رہتے تھے انہوں نے جو بہت بڑا اشاعتی کام کیا وہ مولانا عبدالقادر عارف حصاری مرحوم کے فتاوے کی اشاعت ہے۔فتاوے کا یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گزرا' سنا ہے کہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔یہ فتوے مختلف اخبارات میں چھپتے رہے تھے۔میرے زمانہ ادارت میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں ان کے فتووں اور مقالوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔مولانا محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری نے موضوع

واران کی جمع وترتیب کا فریضہ انجام دیا۔ یہ مشکل ترین اوراہم ترین خدمت ہے جس کی انجام دہی کی انہیں سعادت حاصل ہوئی۔ پھر بے پناہ مہنگائی کے اس دور میں اس بڑے علمی ذخیرے کی طباعت کا مسئلہ خاص اہمیت کا حامل تھا' اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ مولانا محمد یوسف کی کوشش سے یہ مسئلہ حل ہوگیا۔

مولانا ممدوح سادہ مزاج عالم تھے۔ ان کے فرزندان گرامی بھی ان کی طرح نرم کلام اور حلیم الطبع ہیں۔ قدیم و جدید علوم سے بہرہ ور اور ماشاء اللہ صالحیت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ دارالعلوم کا انتظام ایک مدت سے ان کے لائق بیٹے ڈاکٹر پروفیسر عبیدالرحمٰن محسن کے سپرد ہے۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ کامیابی سے جاری رہے گا۔ وہ اپنے والد ذی شان کے طریق عمل سے بھی پوری طرح آگاہیں اور ان کے تعلق داروں کا بھی انہیں علم ہے۔ ان شاء اللہ اپنے والد مکرم کی روایت کو قائم رکھیں گے۔

یہاں یہ بھی بتاتے چلیں کہ دارالعلوم راجووال کی لائبریری ہزاروں کتابوں پر مشتمل ہے اور اہل علم کے لیے استفادہ کا بہت بڑا مرکز ہے۔

مولانا محمد یوسف سے میری پہلی ملاقات آج سے چونسٹھ سال قبل مئی 1949ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کا آفس سیکرٹری تھا اور مرکزی جمعیت کا دفتر شیش محل روڈ پر دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہوری بلڈنگ میں تھا۔ وہ مجھ سے عمر میں چھ سات سال بڑے تھے۔ وہ میرے ایک مرحوم دوست مولوی محی الدین سلفی کے ساتھ مرکزی جمعیت کے دفتر تشریف لائے۔ میانہ قد' گندمی رنگ' خوبصورت نقش ونگار' تہبند اور قمیص پہنے ہوئے' سیاہ داڑھی اور انتیس تیس برس کی جوان عمر۔ اس پہلی ملاقات کے بعد ان سے تعلقات کا جو سلسلہ چلا وہ اللہ کی مہربانی سے بڑھتا چلا گیا۔ وہ جب بھی لاہور آتے' مجھے ملنے کی کوشش کرتے۔ میں بھی کئی دفعہ (ان کی دعوت پر بھی اور بغیر دعوت کے بھی) ان کے دارالعلوم گیا۔ ہر ملاقات میں انہوں نے از راہ کرم مسرت کا اظہار کیا۔ دو تین مرتبہ میں اور حافظ احمد شاکر اکٹھے ان کی خدمت میں گئے۔ وہ ایک عرصے سے بیمار تھے اور بیماری کی وجہ سے روز بہ روز نقاہت کا غلبہ بڑھ رہا تھا۔ بالآخر 96 سال عمر پا کر 13 جنوری 2014ء (12 ربیع الاول 1435ھ) کو اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ جنة الفردوس

☆......☆......☆